August 2021

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

اسلام کو ہر مفاد پر ترجیح دیجیے

''علماء اور دانشوروں کا یہ فریضہ ہے کہ اسلام کے مفاد کو ہر جماعت، ہر ادارہ، ہر مدرسہ اور ہر گروہ کے مفاد پر ترجیح دیں، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر ہمیں معلوم ہو کہ سب جماعتوں کو مٹا دینا پڑے گا، سارے نشانوں کو نکال دینا پڑے گا، سارے ناموں کو ختم کر دینا پڑے گا، سارے بورڈوں کو ہٹا دینا پڑے گا اور اسلام اس ملک میں غالب رہے گا تو ہمیں ایک منٹ بھی اس میں پس وپیش نہیں ہونا چاہیے، ہمیں دین وملت کا مفاد ہر جماعت سے عزیز ہونا چاہیے، سہرا کسی کے سر بندھے سہرا ہونا چاہیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کے دل سے یہ شوق نکل گیا تھا کہ ان کا کارنامہ سمجھا جائے۔''

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
(دعوتِ فکر وعمل: ۸۶-۸۷)

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

Rs. 15/-

اصلاحی خطبات

یوم عاشوراء اور یہود کی مشابہت سے ممانعت

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

''محرم کی دسویں تاریخ کو عام طور پر ''عاشوراء'' کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں ''دسواں دن'' یہ دن اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا خصوصی طور پر حامل ہے، جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک عاشوراء کا روزہ رکھنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا، بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو اس وقت عاشوراء کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی، لیکن حضور ﷺ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کو سنت اور مستحب قرار دیا، ایک حدیث میں حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ مجھے اللہ جل شانہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ جو شخص عاشوراء کے دن روزہ رکھے گا تو اس کے پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں جب بھی عاشوراء کا دن آیا تو آپ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور ساتھ میں یہ ارشاد فرمایا کہ دس محرم کو ہم مسلمان بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہلکی سی مشابہت پیدا ہوجاتی ہے، اس لیے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشوراء کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملاؤں گا تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہوجائے۔

حضور ﷺ کے اس ارشاد میں ہمیں ایک سبق ملتا ہے، وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنیٰ مشابہت بھی حضور اقدس ﷺ نے پسند نہیں فرمائی، حالانکہ وہ مشابہت کسی برے اور ناجائز کام میں نہیں تھی، بلکہ ایک عبادت میں مشابہت تھی، لیکن آپ ﷺ نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دین عطا فرمایا ہے، وہ سارے ادیان سے ممتاز ہے اور ان پر فوقیت رکھتا ہے، لہٰذا ایک مسلمان کا ظاہر و باطن بھی غیر مسلم سے ممتاز ہونا چاہیے، اس کا طرز عمل، اس کی چال ڈھال، اس کی وضع قطع، اس کا سراپا، اس کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کی عبادتیں وغیرہ ہر چیز غیر مسلموں سے ممتاز ہونی چاہیے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اسی قوم کے اندر داخل ہے۔

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کو اس حکم کا خیال اور پاس نہ رہا، اپنے طریقہ کار میں، وضع قطع میں، لباس پوشاک میں، اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں، کھانے پینے کے طریقوں میں، زندگی کے ہر کام میں، ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت اختیار کرلی ہے، ان کی طرح کا لباس پہن رہے ہیں، ان کی زندگی کی طرح اپنی زندگی کا نظام بناتے ہیں، ان کی طرح کھاتے پیتے ہیں، ان کی طرح بیٹھتے ہیں، زندگی کے ہر کام میں ان کی نقالی کو ہم نے ایک فیشن بنالیا ہے، آپ اندازہ کریں کہ حضور اقدس ﷺ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت کو پسند نہیں فرمایا، اس سے سبق ملتا ہے کہ ہم نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں غیر مسلموں کی جو نقالی اختیار کر رکھی ہے، خدا کے لیے اس کو چھوڑیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کے طریقوں کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نقالی کریں۔''

(۱۴/۷۸-۸۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۳ — اگست ۲۰۲۱ء - محرم الحرام ۱۴۴۳ھ — شمارہ: ۸

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عظمتِ صحابہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَباً مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(تم میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، اس لیے کہ اگر تم میں سے کسی شخص نے احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دیا تو بھی وہ ان کے ایک یا آدھے مد کے برابر نہ ہو سکے گا۔)

(صحیح البخاری: ۳۶۷۳)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: Rs.15/- — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زرتعاون: Rs.150/-

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

اتحاد کی مشترک بنیادیں (اداریہ).........................۳
.............................بلال عبدالحی حسنی ندوی

عظمتِ صحابہ کا تقاضہ..............................۴
...................حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

قصہ دو باغ والوں کا..................................۶
.......................حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

سچائی کیا ہے؟..۸
.............................بلال عبدالحی حسنی ندوی

ذکر جہری وسری کی فضیلت........................۱۰
.............................عبدالسبحان ناخدا ندوی

زکوٰۃ-اسلام کا ایک اہم رکن............................۱۲
.............................مفتی راشد حسین ندوی

قناعت اور دل کی تونگری..........................۱۴
.............................مولانا سعود الحسن ندوی

دونوں محاذوں پر کام کرنے کی ضرورت.............۱۵
.............................محمد امین حسنی ندوی

ایمان اور استقامت کا پیکر..........................۱۷
.............................محمد ارمغان بدایونی ندوی

علمی وفکری جمود-مسلمانوں کے زوال کا ایک بنیادی سبب..۱۸
.............................محمد نفیس خاں ندوی

تاجدارِ انس وجاں

نتیجۂ فکر:- مولانا سمعان خلیفہ ندوی بھٹکلی

اے نازشِ کون ومکاں، اے نوریوں کے رازداں
اے وجہِ تخلیقِ جہاں، اے تاج دارِ انس وجاں
سالارِ بزمِ قدسیاں، اے شاہِ دینِ مرسلاں
تو ہے شفیعِ عاصیاں جانِ جہانِ بے کساں
تیری زباں میں نورِ حق، تیرا بیاں معمورِ حق
تیری صدا منشورِ حق، سچائیوں کے ترجماں
تیری نوائے دلبری، تیری ادائے عاشقی
تعمیرِ ہستی کے لیے کردار تیرا جاوداں
تو منتہائے جستجو، تو ہی کمالِ آرزو
تجھ سے نشاطِ رنگ وبو، اے شمعِ قلبِ عاشقاں
تجھ سے گلوں کا بانکپن، تو ہے چمن کی آبرو
میں ہوں غبارِ رہ گزر، تو ہے امیرِ کارواں
تیری ضیائے خلق سے بزمِ جہاں کی دل کشی
روشن ترے انوار سے قلب ونظر کی کہکشاں
اقبالِ حق کو دیکھ کر شاہوں کے سر بھی جھک گئے
آزر کدوں میں گونجتی ہے اب تلک تیری اذاں
موجِ طرب کے جوش میں، اس بزمِ ناؤ نوش میں
آنکھیں ہیں تیری منتظر غارِ حرا کے میہماں
ذوقِ مئے افرنگ میں شوقِ طلب بھی کھو گیا
بے تابیاں ہوں پھر عطا، دل کو ملیں سرمستیاں
ترسے ہوئے دیدار کو، باچشمِ تر ہم آئے ہیں
اک التفاتِ ناز بس، اے بے کسوں کے مہرباں
بن کر گدائے بے نوا سمعانؔ ہے در پر پڑا
ہر دم ہے مصروفِ ثنا اس کا قلم اس کی زباں

مدیر کے قلم سے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

اتحاد کی مشترک بنیادیں

اتحاد کا نعرہ نیا نہیں ہے، یقیناً اس سے وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو بعض مرتبہ بڑی بڑی طاقتوں پر بھاری پڑتی ہے، انتشار طاقت کو بکھیر دیتا ہے، پھر آدمی مقابلہ کی قوت کھو دیتا ہے، اسی لیے ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ (اور جھگڑا مت کرو، ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی) مگر اتحاد کو سمجھنے کی ضرورت ہے، خاص طور پر مختلف الفکر اور مختلف المزاج جماعتوں، گروہوں اور فرقوں میں اتحاد پیدا کرنا ہے تو اس کے نقطہ اتحاد کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے، جس پر سب کو مجتمع کرنا ممکن ہو، ورنہ اگر سب کو ایک ہی فکر و خیال پر لانے کی کوشش کی گئی تو یہ اتحاد کبھی بھی ممکن نہیں، بلکہ اختلاف کے حدود اور وسیع تر ہوتے چلے جائیں گے اور بات بننے کے بجائے بگڑ جائے گی۔

غور کرنے کی ضرورت یہ ہے کہ اتحاد کن فرقوں اور جماعتوں میں پیدا کرنا ہے، ایک اتحاد عالم انسانیت کا بھی ممکن ہے، انسانی بنیادوں پر انسانی قدروں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک دوسرے کا خیال رکھنا پوری آزادی فکر کے ساتھ، یہ اتحاد بھی ممکن ہے، بلکہ انسانیت کی ضرورت ہے، کسی ملک میں مختلف طبقے اگر دست بگریباں ہو جائیں اور ان کی ساری صلاحیتیں آپس کی لڑائیوں میں صرف ہونے لگیں تو یہ ملک کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہے، ایسا ملک کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔

ایک اتحاد ملت اسلامیہ کے مختلف الفکر گروہوں کا ہے، جن میں عقائد کا بھی اختلاف ہے، لیکن وہ ملت اسلامیہ میں شامل سمجھے جاتے ہیں، قادیانیوں کو چھوڑ کر جن کو متفقہ طور پر ملت سے خارج سمجھا جاتا ہے اور تمام مسلمان فرقوں کا اتحاد ممکن ہے، لیکن اس میں بنیادی طور پر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ یہ اتحاد عقائد و افکار میں ممکن نہیں، اس کے لیے یہ نقطہ اتحاد کافی ہے کہ یہ سب فرقے قرآن کو مانتے ہیں، نبی کو مانتے ہیں، اسلام کو اپنا مذہب سمجھتے ہیں، اپنے عقائد و افکار کے اختلاف کے ساتھ یہ سب مسلمان سمجھے جاتے ہیں اور بحیثیت مسلم کے ان میں اگر وحدت کی قوت پیدا ہو گئی تو خاص طور پر جہاں وہ اقلیت میں ہیں یہ ایک بڑی ضرورت ہے اور اس کے ذریعہ وہ پیش آنے والے خطرات کا مقابلہ کر سکتے ہیں، مسلم پرسنل لا بورڈ اس کی واضح مثال ہے، جس میں ہر مکتب فکر کے لوگ شامل ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ متحدہ بنیادوں پر اس کی وحدت بھی قائم ہے۔

اس وحدت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے عقائد و افکار سے دستبردار ہو جائیں، ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ہر فرقہ کے جو اپنے تقاضے ہیں، ان میں اس کو آزادی حاصل رہے اور سب مل کر ملت کے تحفظ و بقا کے لیے کوشش کریں، کسی کی مسجد ہو یا مدرسہ ہو یا مرکز ہو ملت کی امانت ہے اور سب مسلمان اس کے امین ہیں، تحفظ مسلمین کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب مل کر اس کے لیے قانونی لڑائی لڑیں اور اس کی حفاظت کے لیے آگے آئیں، وحدت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سب ایک دوسرے میں ضم ہو جائیں اور ایک دوسرے کی رسومات اختیار کر لیں اور ان کے اپنے جداگانہ افکار و نظریات قبول کر لیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ انفرادی یا جماعتی مفادات ملت کے تقاضوں پر غالب آجاتے ہیں، جس سے بات بگڑتی ہے، جب تک ملی تقاضوں کو مقدم نہیں کیا جائے گا اور اپنے فردی یا جماعتی تقاضوں کو ملی تقاضوں سے نیچے نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک اتحاد ممکن نہیں۔

اتحاد کے نعرے ہمیشہ لگائے جاتے رہے ہیں، لیکن اس کے لیے جو سنجیدہ اور ٹھوس بنیادوں کی ضرورت ہے، اس کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے، ضرورت مشترک بنیادوں کو مضبوط کرنے کی ہے، یہی وہ نقطہ اتحاد ہے کہ اگر اس کو سمجھ لیا گیا تو انشاء اللہ وحدت امت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

عظمت صحابہ کا تقاضا

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے پیغمبر سید المرسلین حضور اکرم ﷺ کے بارے میں معاذ اللہ یہ کہا جائے کہ براہ راست جن لوگوں نے آپ کی زیارت کی، جو لوگ آپؐ کے دامن تربیت سے وابستہ تھے، جو آغوش نبوت میں پلے تھے، جنہوں نے آپؐ کے سایہ عاطفت میں زندگی گذاری اور جن پر آپ کی تربیت کے معجزانہ اثرات پڑے تھے، جن کو دنیا میں نمونہ بننا تھا، ان میں دو ایک یا تین چار آدمی بس دین پر قائم رہے، عہد پر قائم رہے، بقیہ سب دین سے نکل گئے، تو اس سے بڑھ کر حضور ﷺ کے بارے میں کوئی توہین آمیز بات اور اس سے بڑھ کر آپؐ کے مقام نبوت اور آپ کی شان رسالت بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان انعامات کی جو آپ کے ساتھ مخصوص تھے ناقدری نہیں ہوسکتی۔

صحابہ کرام نسل انسانی میں اور یہ میں تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے تاریخی بصیرت، تاریخی مطالعہ کی روشنی میں بانگ دہل کہتا ہوں کہ خلق آدم سے لے کر تا قیام قیامت انبیائے کرام علیہم السلام کے گروہ کو چھوڑ کر کمالات انسانی کے لحاظ سے، فیض انسانی کے لحاظ سے، مکارم اخلاق کے لحاظ سے اور رحمت وبرکت کے لحاظ سے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر پوری نوع انسانی میں کوئی پیدا نہیں ہوا اور یہی ہونا چاہیے تھا، یہ بالکل منطقی اور طبعی بات ہے، اگر کسی کسی کو مانتے ہیں اور اس کے اندر کوئی اثر تسلیم کرتے ہیں، خواہ وہ کسی درجہ، کسی نوع کا ہو، زندگی کے شعبوں میں سے کوئی شعبہ ہو اس کو لے لیجیے، سیاست کو لے لیجیے، تعلیم کو لے لیجیے، قانون کو لے لیجیے، معالجہ کو لے لیجیے، تصنیف وتالیف کو لے لیجیے، شاعری کو لے لیجیے، ادویات کو لے لیجیے، اگر آپ اس میں کسی کا کوئی امتیاز مانتے ہیں، تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ وہ متعدی ہے، وہ زبان ہی کیا جو سمجھی نہ جائے، وہ چراغ ہی کیا جس کی روشنی نہ پھیلے، وہ خوشبو کیا جس کا سونگھنے والے کو لطف نہ آئے، وہ آفتاب کیا جس کی دھوپ نہ ہو، روشنی نہ ہو، وہ چاند کیا جس کی چاندنی نہ ہو، وہ بارش کیا جس سے تراوٹ اور آبیاری نہ ہو، جس سے فصلیں پیدا نہ ہوں، جس سے باغات سرسبز وشاداب نہ ہوں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے امام شعبی کا ایک بلیغ ارشاد نقل کیا ہے کہ یہودیوں سے پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سب سے بہتر لوگ کون ہوئے؟ انہوں نے کہا کہ جنہوں نے حضرت موسیٰ کے دامن تربیت میں پرورش پائی، جنہوں نے ان کو دیکھا اور ان کو ان کی صحبت ملی، وہ سب سے بہتر انسان تھے، عیسائیوں سے پوچھا گیا کہ ملت عیسوی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں میں سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: حضرت عیسیٰ کے حواری، شیعوں سے پوچھا گیا کہ اس امت میں (امت محمدیؐ) سب سے بدترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے ان کا نام لیا جو اولین اور اہم ترین صحابہ رسول تھے، خلفائے راشدین (حضرت علی کو مستثنیٰ کرکے) عشرہ مبشرہ اور جلیل القدر صحابہؓ۔

یہ ایک تضاد ہے، ایک پہیلی ہے جو بوجھنے والی نہیں ہے کہ سب پیغمبروں کے سب سے بہتر لوگ تو وہ تھے جو ان کے دامن تربیت میں پلے بڑھے اور جنہوں نے ایک بار زیارت کرلی، کچھ سے کچھ ہوگئے، تحت الثریٰ سے ثریا تک پہنچ گئے، چہ جائیکہ وہ لوگ جنہوں نے برسوں پیغمبر کی صحبت پائی اور براہ راست ان کے فیض یافتہ تھے۔ تو یہودیوں کا جواب ٹھیک تھا، مسیحیوں کا جواب ٹھیک تھا، ان کے شایان شان تھا، پیغمبر پر ایمان رکھنے والی امت کو یہی کہنا چاہیے تھا، لیکن ہمارے ان بھائیوں اور ہم وطنوں کو جو اسلام کا دعویٰ

کرتے ہیں، ان کا یہ جواب عجیب وغریب ہے، یہ ایک پہیلی ہے جو بجھائی نہیں جاسکتی، آج بھی پوچھنے والے کو یہ جواب مل سکتا ہے، خدا اس کی نوبت نہ لائے، کسی کو پوچھنے کی ضرورت پیش نہ ہو، لیکن وہ گویا زبان حال سے، اپنے طرز عمل سے یہ کہتے ہیں، ان کی تصنیفات اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ امت محمدی ﷺ میں سب سے زیادہ ناقابل اعتبار بہت ہی کچے اور خام لوگ یہی تھے، جو اپنے نبی ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی دین سے نکل گئے، جو اشخاص آپ کی صحبت میں رہے، آغوش نبوت میں تربیت پائی، جن کی ہر وقت نگرانی ہوتی تھی، جو آپ کو دیکھ کر نماز پڑھتے تھے، آپ ﷺ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا جو کلام آتا تھا، وہ براہ راست آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنتے تھے اور پھر اس کی تشریح بھی سنتے تھے اور اس پر عمل ہوتے بھی دیکھتے تھے اور جن کے اخلاق واعمال وکردار اور ہر چیز کی نگرانی ہوتی تھی، نگاہِ نبوت خود ان چیزوں کا جائزہ لیتی تھی، وہی سب سے ناکام نکلے، خام نکلے، یہ ایک تضاد ہے، ایک شخص کا تضاد نہیں ہے، دینی امتوں کو سامنے رکھئے اس کا ایک تضاد ہے، دوسرے انبیاء کے ماننے والے یہ کہیں اور حضور ﷺ کے ماننے والے یہ کہیں۔

مجھے یورپ وامریکہ جانے کا اتفاق ہوتا ہے، کئی بار میں نے کہا کہ اسلامک سینٹر واشنگٹن ڈی سی میں یا لندن کے ہائیڈ پارک میں اگر اسلام کی دعوت دی جارہی ہو اور بڑی سحر انگیز تقریر کی جارہی ہو، لوگ مست ہورہے ہوں اور ایک جادو سا معلوم ہورہا ہو اور قریب ہو کہ لوگ اسلام لے آئیں، اسلام کا اعلان کردیں کہ ہمیں توبہ کرائیے، اسلام میں داخل کیجیے، اچانک ایک شخص کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے: ٹھیک ہے آپ نے بہت اچھی بات کہی، لیکن ہم آپ سے کیا امید رکھتے ہیں، آپ کو ہم پر امید رکھنے کا کیا حق ہے، اگر آج ہم اسلام لے آئیں تو اسلام پر قائم بھی رہیں گے؟ جو لوگ براہ راست اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لائے اور مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپ کے سایہ میں تربیت پائی، ایک دن نہیں، دو دن نہیں، چند مہینے نہیں، چند سال نہیں، تیرہ سال مکہ معظمہ کے اور دس سال مدینہ منورہ کے گذارے، وہ آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام سے نکل گئے، صرف دو چار، سات آدمی رہ گئے، تو آپ ہم سے کیا امید رکھتے ہیں؟ اور آپ اپنے کو کیا سمجھتے ہیں کہ آپ کا مقام پیغمبر خدا سے بلند ہے؟ ہم آپ کے ہاتھ پر اسلام لائیں تو اسلام پر قائم رہیں گے اور اسلامی تعلیمات پر عمل کریں گے؟ ہم نے کہا: اس کا کوئی جواب نہیں، دنیا کے بڑے بڑے ذکی اور بڑے سے بڑے حاضر جواب کے پاس بھی اس کا کوئی جواب نہیں۔ یہ کیا تضاد ہے، ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ نبی کے ہاتھ پر براہ راست اسلام لانے والے وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ﴾ (الفتح: ۱۸۰) (اللہ ان ایمان والوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے تو اس نے ان کے دلوں کو پرکھ لیا پھر ان پر سکون اتارا) دوسری طرف انہوں نے نبی کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام کو خیر باد کہہ دیا، ایں چہ بوالعجبیست!

صحابہ کرام کی جہاں اور بہت سی خصوصیات ہیں وہیں اس خصوصیت کو بھی ذہن نشیں کرلیں کہ وہ دین کے پورے متبع تھے، وہ دین کے سانچے میں ڈھل گئے تھے، ان کے عقائد، ان کی عبادات، ان کے معاملات، ان کے اخلاق، ان کی رسومات، ان کی تقریبات، ان کی فتوحات، ان کی حکومت ونظام سلطنت، سب چیزیں اور زندگی کے سب شعبے شریعت کے مطابق تھے۔

یہ تھی صحابہ کرام کی زندگی، یہ زندگی ہم نے چھوڑ دی، میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ کی محبت کا، عقیدت کا اور ان کے تذکرہ کا، ان کے نام لینے کا، ان کی طرف نسبت کرنے کا حق ہے کہ آپ ان کی پوری زندگی اپنے لیے نمونہ بنائیں، یہ نہیں کہ صرف ان کی حمایت میں جوش میں آجائیں اور مدح صحابہ کا جلوس نکالیں، ان کے نام پر بڑے بڑے جلسے کریں، لیکن عمل کا جہاں تعلق ہے، زندگی کا جہاں تعلق ہے، وہ بالکل اس سے علیحدہ ہو۔

قصہ دو باغ والوں کا

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دو آدمیوں کی مثال بیان کی ہے، جن میں سے ایک کے پاس تھوڑی جائیداد تھی اور معمولی باغات تھے اور دوسرے کے پاس اس کے مقابلہ میں دو بہت بڑے بڑے باغ تھے، جن میں نہر جاری تھی اور ہر طرح کے پھل موجود تھے، یہ شخص بہت بڑا زمین دار تھا۔ ان دونوں لوگوں کی ایک جگہ ملاقات ہوئی اور آپس میں کچھ بات چیت ہوئی، صاحب ثروت شخص نے فخر یہ انداز میں بتایا کہ ہمارے پاس یہ یہ دولت ہے، پھر وہ یہ بھی کہنے لگا کہ ہمارے پاس اتنا بڑا باغ ہے، اگر ہمیں اس کے اندر کچھ نقصان ہو جائے تب بھی ہم پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ ہمارا باغ بہت بڑا ہے اور یہ سب کچھ ہم نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہے۔ اس نے مزید یہ بھی کہا کہ تم لوگ جو یہ آخرت کی بات کرتے ہو، تم کہتے ہو تو خوش ہونے کے لیے ٹھیک ہے، تربیت کے لیے ٹھیک ہے، لیکن آخرت کی حقیقت کیا ہے؟ جب کہ ہمیں سب کچھ یہیں مل رہا ہے، جب سب کچھ یہاں موجود ہے تو آخرت میں مزید کیا ہوگا اور اگر آخرت ہوگی بھی تو وہاں بھی ہم محنت کرکے حاصل کرلیں گے۔

ظاہر ہے باغ والے شخص نے انتہائی گستاخانہ انداز اور لب ولہجہ اختیار کیا اور یہ گستاخانہ انداز وہ ہے جو بہت سے لوگوں میں غلطی سے پیدا ہو جاتا ہے، یہ غلط انداز بعض اوقات مسلمانوں میں بھی پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ جب ان میں آخرت کا تصور کمزور ہوتا ہے تو یہ بات پیدا ہو جاتی ہے۔ باغ والے شخص میں آخرت کا تصور کمزور تھا، اسی لیے اس نے کہا: تم آخرت کی بات کرتے ہو، اگر ایسا کوئی مسئلہ ہوا تو ہم وہاں بھی سب کچھ حاصل کرلیں گے، یہاں ہم نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہے اور آخرت میں بھی ہم اپنی محنت ہی کی بنیاد پر حاصل کرلیں گے۔

اس کے ساتھی نے اس کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ بھائی! تم ایسی بات کہہ رہے ہو جو اللہ کی قدرت اور اس کی عظمت کا کھلا انکار ہے، یہ تو صریح کفر ہے، یعنی تم ان نعمتوں کو اور اس دولت کو اللہ کی چیز نہیں سمجھ رہے ہو، بلکہ یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ تمہاری ذاتی چیز ہے، جس کو تم نے اپنی محنت کے ذریعہ حاصل کیا ہے، تمہارے سوچنے کا یہ طریقہ بالکل صحیح نہیں ہے، ہر چیز کو اللہ کے تابع سمجھنا چاہیے، تم کو جو کچھ ملا ہے یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے، تمہاری محنت اس میں ضرور ہے لیکن تمہارے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کے حکم اور اس کی اجازت سے ہے۔

ہٹ دھرم اور ضدی شخص نے اپنے دوست کی نصیحت کو کوئی اہمیت نہیں دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں اس کو انجام دکھا دیا اور اس کو یہ سزا دی کہ جب وہ اپنا باغ دیکھنے کے لیے پہنچا تو وہاں طوفان آچکا تھا اور سب کچھ برباد ہو چکا تھا اور گر گرا کر ختم ہو چکا تھا، پورا باغ بالکل ملبہ رہ گیا تھا۔ اس تباہی کے بعد اس شخص کو اپنی گستاخی اور غلطی کا احساس ہوا، تب وہ بولا کہ کاش ہم نے ایسی گستاخی کی بات ہی نہ کی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس وقت کسی نے اس کی مدد نہیں کی، نہ اس کی محنت اس کے کام آئی اور نہ ہی اس کے اسباب ووسائل ساتھ دے سکے۔

اللہ نے عبرت کے لیے دنیا ہی میں اس کو یہ انجام دکھا دیا کہ تمام باغات طوفان کی نذر ہو گئے، جب اس نے یہ عبرت ناک منظر دیکھا تو حیران و پریشان ہو کر اپنی ہتھیلیوں کو الٹنے پلٹنے لگا اور افسوس کرتے ہوئے کہنے لگا: ہائے ہائے میں نے باغ کی تیاری میں جو کچھ صرف کیا تھا وہ سب ضائع ہو گیا، پھر وہ شخص یہ کہنے پر بھی مجبور

ہوا کہ اے کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ شرک نہ کیا ہوتا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کوئی مدد نہیں کرسکتا، اگر اس کی مشیت شامل حال نہ ہو تو آدمی کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر اجر دیتا ہے اور بہتر نتیجہ پیدا کرتا ہے، آدمی کو جو فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اس کی محنت کا جو نتیجہ نکلتا ہے وہ سب اللہ کے کرنے سے نکلتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ہم نے محنت کی تو اس کا نتیجہ نکلا، ظاہر میں محنت ہی کا نتیجہ نکلتا ہے، ظاہر میں وسائل ہی سے کوئی کام ہوتا ہے، لیکن اندر کی بات یہ ہے کہ وہ کام اشارۂ غیبی کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے۔

دنیاوی زندگی کی مثالوں سے بھی ہم اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں، مثلاً: ایک افسر اعلیٰ ہے، جس کے آنکھ کے اشارہ پر دوسروں کے ذریعہ ہر کام چل رہا ہے، مگر لوگ صرف ان دوسرے لوگوں کو کام کرتے دیکھ رہے ہیں، تو انہیں ایسا لگتا ہے کہ وہی لوگ سب کچھ کر رہے ہیں، لیکن لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کو ان سب کاموں کے لیے افسر اعلیٰ کی طرف اشارہ ملا ہے، جس نے یہ کہہ دیا ہے کہ تم اس اس طرح کام کرو اور ہم تم پر نظر رکھے ہوئے ہیں، گویا سب لوگ اس کے حکم اور اس کی اجازت سے کام کر رہے ہیں۔

دنیا میں انسانی نظام کے اندر ہمیں یہ باریکی سمجھ میں آجاتی ہے، لیکن چونکہ ہمارا آخرت کا تصور کمزور ہے، اسی لیے ہم ہر بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتے، بلکہ اپنے اندر یہ اہلیت سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے محنت کی تو حاصل ہوگیا، افسوس کا مقام ہے کہ اب یہ بات مسلمانوں میں بھی پیدا ہوگئی ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی عمل کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں، مگر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بھول جاتے ہیں، اسی لیے حکم یہ ہے کہ آئندہ کے متعلق تم کوئی بات کہو تو ''انشاء اللہ'' ضرور کہو یعنی اگر اللہ چاہے گا تو ہو جائے گا، اس لیے کہ تم بذات خود کیا ہو جو آئندہ کے متعلق کوئی بات کہہ سکتے ہو اور کہتے ہو کہ ہم یہ کریں گے، تم کیسے کرو گے، اگر اللہ تمہیں زندہ ہی نہ رکھے تو کیا کرلوگے، یا اللہ تعالیٰ تمہاری طاقت ختم کردے تو کیا کرو گے؟ تمہیں مستقبل پر کیا اختیار ہے؟ اس لیے اچھی طرح سمجھ لو کہ تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ کے کرانے سے کر رہے ہو، اللہ کی دی ہوئی طاقت سے کر رہے ہو، جس میں تمہیں یہ دھوکہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ نے ہمیں وہ طاقت پوری طرح دے دی ہے کہ ہم جو چاہیں کریں، بلکہ وہ طاقت اللہ تعالیٰ کے یہاں محدود ہے اور اس کی نظر میں ہے، اللہ جب چاہے اس طاقت کو واپس لے سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ بسا اوقات ہم ذرائع کو اصل سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ ہمیں ہمہ وقت یہ خیال ہونا چاہیے کہ ظاہر میں گرچہ ایسا نظر آرہا ہے کہ کام کرنے والی چیزیں دوسری ہیں اور ذرائع کے ذریعہ کام ہو رہا ہے، لیکن کرنے والی ذات اللہ کی ہے، اصل کام اللہ کی طرف سے ہی ہوتا ہے، ذرائع بھی اسی وقت کام کرتے ہیں جب اللہ چاہتا ہے، مثلاً: ہم چمچہ سے کھانا کھاتے ہیں، اب اگر ہاتھ نظر نہ آئے تو آدمی یہی سمجھے گا کہ اس کو چمچہ کھانا کھلا رہا ہے، حالانکہ چمچہ خود نہیں کھلا رہا ہے، بلکہ انسان کا ارادہ واختیار اس کو حرکت دے رہا ہے، اگر وہی مفقود ہو تو چمچہ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔

دو باغ والوں کے قصہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو یہ بتادیا کہ اگر اللہ پر اعتماد کروگے تو کامیاب رہوگے اور اگر اللہ پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اپنی کوششوں اور اپنے خرچ اور اپنے آدمیوں پر اعتماد کرتے ہو تو اس کے بعد خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے منصوبوں اور عزائم کو رد کردے اور دنیا ہی میں تمہیں سزا دے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیاوی زندگی میں جلدی سزا نہیں دیتا ہے، کیونکہ اللہ نے دنیا کو دار الامتحان بنایا ہے، اگر وہ سب کو یہیں سزا دینے لگے تو پھر امتحان امتحان ہی نہیں ہوگا، بلکہ سب کام ختم ہو جائے گا، اس لیے کہ جب ایک آدمی کو سزا ہو جائے گی تو دوسرا آدمی خود بخود ہوشیار ہو جائے گا، پھر وہ کوئی غلط کام نہیں کرے گا، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سزا کو آخرت کے لیے روک کر رکھا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ سب کچھ دکھائے گا کہ تم دنیا میں یہ یہ کرکے آئے ہو، اب سمجھ لو تمہارا انجام کیا ہونے والا ہے، الا یہ کہ انسان کو توبہ کی توفیق مل جائے۔

مسلسل

سچائی کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

سچ اور جھوٹ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر سچائی لازم ہے اور سچائی نیکی کی طرف ہدایت کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کو ہی اختیار کرلیتا ہے، تو وہ مقام صدیقیت کو پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچنا لازم ہے، کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کی راہ پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچادیتی ہے اور آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہوتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کرلیتا ہے، تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ (ترمذی)

اس حدیث میں سچائی کی بنیاد اور زندگی گذارنے کا صحیح راستہ بتایا گیا ہے، آدمی جب سچائی کی بنیادوں پر چلتا ہے تو اس کی زندگی سنورتی ہے اور جب وہ جھوٹ کی بنیادوں پر چلتا ہے تو زندگی بگڑتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سچائی کو لازم پکڑو، اس لیے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ گویا یہ ایک ایسی بنیاد ہے کہ اگر آدمی اس بنیاد پر اپنی زندگی گذارے گا اور اس پٹری پر اپنی گاڑی چلائے گا تو وہ منزل تک پہنچ جائے گا اور اگر وہ اس پٹری سے ہٹے گا تو اس کی گاڑی ہٹ جائے گی اور گاڑی جہاں پٹری سے ہٹتی ہے تو الٹ جاتی ہے اور سلامت نہیں رہتی، لیکن جب تک پٹری پر رہتی ہے تو سلامت رہتی ہے، اللہ نے جو پٹری دی ہے وہ سچائی کی پٹری ہے، سچائی ایسی چیز ہے جس سے آدمی بہت سے گناہوں سے بچتا ہے اور اگر سچائی مزاج میں نہ ہو تو آدمی ہزار گناہ کرتا ہے، ایک کے بعد دوسرا پھر تیسرا گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔

سچائی کا فائدہ:

ایک بزرگ کے پاس کوئی صاحب آئے اور انہوں نے آکر شکایت کی کہ حضرت! شراب نہیں چھوٹتی، بزرگ نے فرمایا: توبہ کرو اور شراب چھوڑنے کی کوشش کرو، انہوں نے کہا: بہت توبہ کی اور بہت کوشش کی، بزرگ نے فرمایا: اب دوبارہ توبہ کرو اور وقتاً فوقتاً اپنا حال ہم کو بتادیا کرو، اگر توبہ کے بعد بھی تم شراب پی لو تو ہمیں بتاؤ کہ تم نے شراب پی ہے، لیکن ایک بات یاد رکھو کہ کبھی جھوٹ نہ بولنا، اگر جھوٹ بولو گے تو اصلاح نہیں ہوگی، انہوں نے اس نصیحت پر عمل شروع کیا، مگر ظاہر ہے کہ انہیں اس پر بہت شرم آئی، کچھ دنوں تک بتاتے رہے اور پھر آہستہ آہستہ شراب کی عادت سے نجات پاگئے۔

جھوٹ کا مرض:

جھوٹ کا مرض دل سے متعلق ہے، آدمی جب جھوٹ کا سہارا لیتا ہے تو پھر اصلاح بڑی مشکل ہوتی ہے اور جب آدمی حیلے حوالے شروع کردیتا ہے تو کبھی بھی اس کا راستہ صحیح نہیں ہو پاتا، اس زمانہ میں سب سے زیادہ جو چیزیں عام ہورہی ہیں ان میں جھوٹ ہے اور جب آدمی جھوٹ کا عادی ہوجاتا ہے تو پھر اندر و باہر کا کچھ فرق نہیں رہ جاتا، بلکہ آدمی یہ دیکھتا ہے کہ ہمارا فائدہ کہاں ہے، وہ فائدہ دولت کا ہو یا پھر اس سے آگے بڑھ کر وہ فائدہ عزت کا ہو، اس فائدہ کے لیے آدمی سب کچھ کرتا ہے اور اس کی خاطر اس سے جو سب سے بڑی غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ وہ جھوٹ کا سہارا لیتا ہے اور جھوٹ کے ذریعہ سے اپنی دولت وعزت بڑھاتا ہے، ظاہر ہے کہ جھوٹی دولت اور عزت کہاں تک اس کا ساتھ دے گی، ہوسکتا ہے دنیا میں کچھ کام آجائے، مگر مرنے کے بعد سوائے بربادی اور ہلاکت کے کچھ ہاتھ آنے والا نہیں، لیکن اگر آدمی کے پاس سچائی کا راستہ ہے تو وہ بہت سے گناہوں سے بچ جائے گا اور سیدھا چلتا چلا جائے گا، کیونکہ سچائی ایسی چیز ہے جس سے آدمی کو صحیح راستہ ملتا ہے اور یہ خیر کی بنیاد ہے۔

مقام صدیقیت کی شرط:

حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: سچائی نیکی کی طرف لے

جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور برابر انسان سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کو ہی اختیار کرتا ہے حتی کہ اللہ کے یہاں صدیق یعنی سچا لکھا جاتا ہے۔ دراصل ہوتا یہ ہے آدمی پہلے مرحلہ میں سوچتا ہے چھوٹی سی بات ہے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ذرا سا جھوٹ ہے اس کو بولنے میں کیا حرج ہے، پہلے مرحلہ میں معمولی غلط بات کہتا ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ اس کے بعد جھوٹ کا دروازہ اس کے لیے کھلتا چلا جاتا ہے اور وہ بڑا بڑا جھوٹ بولنا شروع کر دیتا ہے، یہاں تک کہ پھر وہ جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے اور اگر آدمی سچ کو اختیار کرتا ہے اور یہ طے کر لیتا ہے کہ ہمیں تو بہر حال سچ بولنا ہے، کوئی بھی مسئلہ ہو ہمیں سچ بولنا ہے، تو وہ ہمیشہ سچ بولتا ہے، سچ کو اختیار کرتا ہے اور اس کی زندگی سچی ہوتی ہے، تب وہ اللہ کے یہاں صدیق و باوفا لکھا جاتا ہے، اللہ کے وعدوں کو پورا کرنے والا لکھا جاتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وہی راستہ اس کے لیے ہموار کر دیتے ہیں، لیکن جو آدمی جھوٹ بولنے والا ہوتا ہے اس کے لیے پھر دوسرا راستہ کھل جاتا ہے۔

جھوٹ کا ابتدائی مرحلہ:

جھوٹ بولنے والے کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا؛ جھوٹ سے بچو، اس لیے کہ جھوٹ برائیوں کی طرف لے جاتا ہے اور برائیاں جہنم کی طرف لے جاتی ہیں اور آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے، جھوٹ کو اختیار کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے یہاں بھی جھوٹا اور کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

بچہ شروع میں جب بات کرتا ہے تو بہت سے بچے ہوتے ہیں جو جھوٹ بولنا شروع کرتے ہیں، کیونکہ اپنے فائدہ کے لیے بچے بھی جھوٹ بولتے ہیں، ظاہر ہے یہ انسانی فطرت ہے، لہٰذا اگر پہلے مرحلہ میں ماں باپ اس بچہ کی تربیت کرتے ہیں تو پھر وہ آہستہ آہستہ خیر کی طرف آجاتا ہے اور اگر تربیت نہیں کرتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ برائیوں کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے، بعض مرتبہ ماں باپ محبت میں بچہ کو برائیوں سے نہیں روکتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

ابتدائی مرحلہ کا انجام:

مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص چوری کا عادی تھا، بڑے بڑے ڈاکے ڈالتا تھا، ایک مرتبہ کسی بڑی واردات میں پکڑا گیا، اس پر مقدمہ چلا اور پھانسی کی سزا ہوگئی، جب پھانسی دی جانے لگی تو مجرم کی آخری خواہش پوری کرتے ہوئے اس کی بھی آخری خواہش پوچھی گئی، اس نے کہا: میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں، لوگ بڑے خوش ہوئے کہ موت سے پہلے ماں سے ملنا چاہتا ہے، لہٰذا ماں کو لایا گیا اور جب ماں سامنے آئی تو چور نے اس کو قریب کیا اور جب ماں بالکل قریب آگئی تو اس نے کسی طرح اپنی ماں کے کان پکڑ کر نوچ لیے، لوگوں نے کہا: کیا یہ پاگل ہوگیا ہے؟ اس نے اپنی ماں کو آخری وقت میں بلایا، ایسے موقع پر کوئی محبت و پیار کی بات کرتا، مگر یہ کان نوچ رہا ہے، جب اس سے سبب پوچھا گیا تو کہنے لگا کہ اسی ماں کی وجہ سے آج یہ پھانسی کی نوبت آئی ہے، جب میں چھوٹا تھا تو شروع میں ماں کے بٹوے سے پیسے نکالتا تھا یا گھر میں کہیں بھی پیسے رکھے ہوں تو نکال لیتا تھا، لیکن ماں نے مجھے کبھی نہیں ٹوکا، اس کے بعد جب بات آگے بڑھی تو میں نے رشتہ داروں کی جیبیں صاف کرنا شروع کر دیں، اس وقت ماں کو پتہ چلتا تھا تب بھی اس نے مجھے کچھ نہیں کہا کہ یہ غلط کام ہے ایسا مت کرو، یہاں تک کہ میں آگے بڑھتا گیا اور ایک بڑا چور اور ڈاکو بن گیا، آج اسی کا نتیجہ ہے کہ مجھے پھانسی کے پھندے پر چڑھایا جا رہا ہے، اگر اس ماں نے مجھے منع کیا ہوتا تو آج میں یہاں نہ پہنچتا۔

اصلاح عادت کی ضرورت:

واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی بات ایک دم سے آخری مرحلہ کی نہیں ہوجاتی، بلکہ بات بہت ہلکی اور معمولی شکلوں کے ساتھ شروع ہوتی ہے، لیکن جب مزاج بگڑ جاتا ہے تو بات آگے بڑھتی چلی جاتی ہے، یہی معاملہ ہر چیز کے بارے میں ہے، اگر آدمی اپنے آپ کو نیکی کا عادی بنائے گا تو نیک انسان شمار کیا جائے گا اور اگر برائیوں کی طرف جائے گا تو آہستہ آہستہ بڑی بات تک پہنچ جائے گا۔

ذکرِ جہری وسری کی فضیلت

عبدالسبحان ناخداندوی

ذکر الٰہی تمام عقائد، اعمال، عبادات اور طاعات کی جان ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسے سب سے بڑی دولت بتایا ہے، فرمایا: ﴿وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ﴾ (اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے)

اللہ کی یاد کو ہمیشہ دل میں زندہ وتابندہ رکھنے کا نام ذکر ہے، اللہ کی یاد کے ساتھ جینے والا زندہ ہے اور اللہ کی یاد کو فراموش کر کے جینے والا زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا ہے، زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔ (متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ کو اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعہ یاد کیا جائے تو وہ ثواب ومغفرت کے ذریعہ یاد کرے گا، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں اللہ کا ذکر اللہ کی اطاعت کا نام ہے، جو اللہ کی بات نہیں مانتا وہ اللہ کا ذکر کیسے کرسکتا ہے، چاہے جس قدر تسبیح وتہلیل کرے اور قرآن کریم کی تلاوت کرے، بعض احادیث میں آیا ہے: جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کو یاد کرتا ہے، چاہے اس کی نماز، روزے اور تلاوت کی تعداد کچھ کم ہی کیوں نہ ہو اور جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، وہ اللہ کو یاد نہیں کرتا ہے چاہے، اس کے نماز روزے اور تلاوتِ قرآن کی تعداد کچھ زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ (بیہقی)

ذکر اللہ کی فضیلت پر سینکڑوں روایتیں دلالت کرتی ہیں، حضرت عبداللہ بن بسر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! اسلام کے احکامات بہت زیادہ ہیں، (سب پر اکٹھا عمل نہیں ہوسکتا) کوئی ایسی چیز بتایئے جسے میں مضبوطی سے تھامے رہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے“ بعض روایات سے اس کی فضیلت بے انتہا معلوم ہوتی ہے، حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں تمہارا سب سے بہترین عمل اور تمہارے مالک کے سامنے انتہائی پاکیزہ ترین عمل جو درجات کی بلندی کا باعث، سونا چاندی خیرات کرنے سے بڑھ کر تمہارے لیے بہتر ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا: وہ عمل اللہ کا ذکر ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: جو اللہ کا حقیقی سچا ذکر کرے وہ اللہ کے ذکر کے پہلو میں ہر چیز کو بھلادے گا، (اس قدر لطف ولذت محسوس کرے گا) اللہ اس کے لیے ہر چیز کی حفاظت کرے گا اور خود اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر چیز کا بدل بن جائے گا۔

اللہ کا ذکر سری، جہری، انفرادی، اجتماعی ہر اعتبار سے کیا جاسکتا ہے، اسی طرح خاموش دل میں اللہ کو یاد کرنا بھی ذکر الٰہی کا ایک حصہ ہے، اسے ذکر قلبی کہتے ہیں، اس کی دلیل یہ آیت ہے: ﴿وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ﴾ (اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو) ذکر سری کی مثال یہ روایت ہے: رسول ﷺ ہمیشہ اللہ کا ذکر فرماتے تھے۔

ظاہر بات ہے کہ یہ ذکر سری ہی ہوتا ہوگا، اس روایت سے ذکر جہری پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی ذکر میں مشغولیت حضرت عائشہ کو اسی وقت محسوس ہوتی ہوگی جب آپ کچھ نہ کچھ سنتی ہوں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں بسا اوقات ایک ہی مجلس میں رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سو دفعہ یہ کلمات شمار کرتا تھا: پروردگار! مجھے معاف فرما، میری توبہ قبول فرما، بلاشبہ تو اور تو ہی توبہ قبول کرنے والا، انتہائی رحم والا ہے۔ (ابوداؤد)

اس روایت سے جہراً استغفار معلوم ہوتا ہے، استغفار بھی ذکر ہی کی ایک قسم ہے، اجتماعی ذکر کی دلیل یہ روایت ہے: جب تم جنت کے باغات سے گذرو تو چرا کرو، (یعنی اس سے فائدہ اٹھاؤ) پوچھا گیا کہ جنت کے باغات کیا ہیں؟ فرمایا: ذکر کے حلقے۔ (ترمذی)

ظاہر ہے کہ جہراً ذکر کے لیے ہی حلقے لگائے جاتے ہیں۔

مشہور روایت ہے کہ اللہ کے کچھ فرشتے ذکر کرنے والوں کی تلاش میں زمین میں چلتے پھرتے رہتے ہیں، پھر جب کچھ لوگوں کو

ذکر اللہ میں مشغول دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ آؤ تمہارا اصل مقصود تو یہاں ہے، پھر ایسے سب فرشتے آکر ان کو گھیر لیتے ہیں، یہاں تک کہ ان کا سلسلہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتا ہے، اللہ ان سے دریافت کرتا ہے کہ میرے بندوں کو کس کام میں تم نے مشغول چھوڑا؟ فرشتے کہتے ہیں: ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ تیری تعریف کررہے ہیں، تیری عظمت و بزرگی بیان کررہے ہیں اور تیرا ذکر کررہے ہیں، اللہ پوچھتا ہے: کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: نہیں، سوال ہوتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیا کریں گے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر تجھے دیکھ لیں تو اور زیادہ تیری تعریف کریں، تیری بزرگی بیان کریں اور تجھے اور زیادہ یاد کریں گے، اللہ فرماتا ہے: وہ کیا مانگ رہے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں: وہ جنت مانگ رہے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: نہیں، ارشاد ہوتا ہے: اگر وہ جنت دیکھ لیں تو کیا کریں گے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ جنت دیکھ لیں تو اور زیادہ اس کی خواہش کریں گے اور چاہت رکھیں گے، پھر اللہ فرماتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ چاہ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: آگ سے، سوال ہوتا ہے: کیا انہوں نے جہنم دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: نہیں، ارشاد ہوتا ہے: اگر وہ دیکھ لیں تو کیا کریں گے؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ دیکھ لیں تو اور زیادہ اس سے بھاگیں اور اس کا خوف مزید محسوس کریں، اللہ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے: میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان سب کی مغفرت فرمادی۔ بعض فرشتے کہتے ہیں: ان میں ایک فلاں خطا کار تھا، وہ ان میں شامل نہیں تھا، بس اپنی ضرورت سے آیا تھا، پھر ایسے ہی ان کے ساتھ بیٹھ گیا تھا، اللہ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے: یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔

یہ روایت بخاری و مسلم دونوں نے کی ہے، خالی الذہن ہوکر اسے دیکھیں تو یہی نقشہ ابھرتا ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت ساتھ بیٹھ کر ذکر و دعا کررہی ہے، اس میں ذکر بھی جہراً معلوم ہورہا ہے اور دعا و آمین بھی بہت حد تک جہراً معلوم ہورہی ہے، پھر ان پر اللہ کے فضل و انعام کا بیان ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں، ان کا مقصد محض اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے تو آسمان سے آواز دینے والا آواز دیتا ہے: چلو تم سب کی مغفرت کردی گئی، میں نے تمہاری برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دیا۔ (مسند احمد)

اس روایت سے ذکر اللہ کے لیے جمع ہونا معلوم ہوتا ہے اور اجتماعی ذکر ظاہر بات ہے جہراً معلوم ہوتا ہے، یہ روایت بھی اجتماعی ذکر کی ترغیب دیتی ہے: جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، سکینت ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ اپنے پاس موجود فرشتوں سے ان کا تذکرہ کرتا ہے۔ (مسلم)

تمام روایات کو دیکھا جائے تو خلاصہ یہی معلوم ہوگا کہ اللہ کا ذکر سراً و جہراً، اجتماعی و انفرادی سب طریقہ سے جائز ہے، اس میں اللہ و رسول ﷺ کی طرف سے کوئی تنگی نہیں رکھی گئی ہے۔

اسی طرح اللہ کا دھیان رکھنا بھی ذکر الٰہی میں شامل ہے، اسے استحضار کہتے ہیں، یعنی ذہن کو ہمیشہ اللہ کی یاد میں حاضر رکھنا، آپ ﷺ نے ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا: اے لڑکے! اللہ کا دھیان رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا، اللہ کا دھیان رکھنا تم ہمیشہ اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔

یہ کیفیت انسان کو ہمیشہ بھلائیوں پر آمادہ اور برائیوں سے محفوظ رکھتی ہے، خاص طور پر یہ تصور کہ اللہ سب کچھ دیکھتا ہے، انسان میں ایک خاص حیا کی کیفیت پیدا کرتا ہے، اسی طرح یہ تصور کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے' انسان کو گناہ پر جری نہیں کرسکتا اور تنہائی میں بھی انسان ایک خاص قسم کا کیف و سکون حاصل کرتا ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (سن لو! اللہ کے ذکر سے دل سکون پاتے ہیں۔)

زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم رکن

مفتی راشد حسین ندوی

زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے، جن پانچ بنیادوں پر اسلام کی عمارت قائم ہے، حدیث شریف میں زکوٰۃ کو ان میں سے ایک قرار دیا گیا، چنانچہ بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

قرآن مجید میں بھی جگہ جگہ اقامت صلاۃ کے ساتھ ساتھ ایتاء زکوٰۃ کا بھی حکم دیا، سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں متقین (نیکوکاروں) کی کئی صفات بتائی گئیں، جن میں سب سے شروع میں فرمایا گیا: ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۳) (جو غیب کو مانتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں)

زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے:

زکوٰۃ کی ادائیگی سے اس خیال سے رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے کہ اس سے مال میں کمی واقع ہوجائے گی، لیکن بار بار اس کا اطمینان دلایا گیا کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال گھٹے گا نہیں، اس سے دنیاوی اعتبار سے بھی بے انتہا برکت ہوگی، قلبی سکون اور راحت نصیب ہوگی اور اخروی اعتبار سے بھی بے پناہ اجر وثواب ملے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ (البقرۃ: ۲۷۶) (اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِيْ أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْ عِندَ اللّٰهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ (الروم: ۳۹) (اور تم جو سود پر دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مالوں میں بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے اور تم اللہ کی خوشنودی کے لیے جو زکوٰۃ دیتے ہو تو وہی لوگ ہیں جو کئی گنا کرنے والے ہیں)

اسی مضمون کو کئی احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے، مثلاً مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: صدقہ مال میں کوئی کمی نہیں کرتا اور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندہ کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے اور جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سربلندی عطا فرماتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ظاہری طور پر تو خرچ کرنے سے مال میں کمی ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان نصوص میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مال میں برکت عطا فرماتا ہے، بیماری اور مقدمہ بازی جیسے بہت سے فضول خرچوں سے اس کو محفوظ کردیا جاتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کو قناعت کی دولت نصیب ہوجاتی ہے، حرص سے محفوظ ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے سے زیادہ مال والوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مطمئن اور خوش رہتا ہے اور اپنے آپ کو راحت میں محسوس کرتا ہے اور راحت واطمینان ہی مال کے اصل مقاصد میں سے ہیں، اس کے برخلاف سودخور کی حرص انتہا درجہ کو پہنچ جاتی ہے، وہ ہمیشہ ھل من مزید کا نعرہ لگاتا ہے اور حدیث شریف کے مطابق "لا یملأ فاہ الا التراب" (اس کا منہ صرف مٹی بھرے گی) اور صدقہ کرنے والے کو دل کی مالداری حاصل ہوجاتی ہے جس کو حدیث شریف میں اصلی مالداری بتایا گیا: الغنی غنی النفس.

زکوٰۃ اور صدقات کا ایک فائدہ یہ بھی بتایا گیا کہ اس سے مال کی حفاظت ہوتی ہے، آدمی بری موت سے محفوظ ہو جاتا ہے اور زکوٰۃ وصدقات اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں، چنانچہ ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔'' ابوداؤد نے اپنے مراسیل میں ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''زکوٰۃ ادا کر کے اپنے مال کو محفوظ کرو اور صدقات کے ذریعہ اپنی بیماریوں کا علاج کرو۔''

اخروی اجروثواب:

یہ تو زکوٰۃ وصدقات کے دنیوی فوائد ہیں، جہاں تک اخروی فوائد کا تعلق ہے جو کہ مسلمان کے لیے کسی بھی عمل کا اصل محرک بنتے ہیں تو وہ بے شمار ہیں، چند آیات اور احادیث ملاحظہ ہوں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ: ۲۶۱) (ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی طرح ہے جو سات بالیاں اگائے اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے خوب اضافہ کر دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا خوب واقف ہے)

مطلب یہ ہے کہ کسان جب بیج زمین میں گاڑتا ہے تو ظاہری طور پر اس کو ضائع کر رہا ہوتا ہے، لیکن اس ایک دانے سے اس کو سات سو دانے حاصل ہوتے ہیں، اسی طرح ایک روپیہ صدقہ کیا جائے تو سات سو گنا بلکہ اللہ چاہے تو اس سے بھی زیادہ کا اجر ملتا ہے، جب کہ ظاہری طور پر وہ اس ایک روپیہ کو ضائع کر رہا ہوتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾ (الحدید: ۱۸) (یقیناً صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو اچھا قرض دے رکھا ہے، ان کے لیے (ان کا مال) کئی گنا بڑھا دیا جائے گا اور ان کے لیے باعزت اجر ہے)

اور بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایک کھجور کے بقدر بھی مال حلال سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال ہی کو قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے داہنے ہاتھ سے قبول فرماتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو صدقہ کرنے والے کے لیے اس طرح بڑھاتا رہتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچہ کو پرورش کر کے بڑھاتا ہے، یہاں تک کہ وہ کھجور پہاڑ کی طرح ہو جاتی ہے۔

اسی طرح بخاری اور مسلم کی حضرت ابومالک اشعری سے مروی ایک روایت میں صدقہ کو ''برہان'' فرمایا گیا، یعنی صدقہ قیامت کے دن صدقہ کرنے والے کے ایمان واسلام کی دلیل اور محبت بنے گا۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعیدیں:

زکوٰۃ چونکہ فرض ہے، لہٰذا اس کے ادا کرنے پر دنیا وآخرت کے جہاں بے شمار فائدے ہیں، وہیں ادا نہ کرنے پر سخت وعیدیں بھی وارد ہوئی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ☆ يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوْا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ (التوبۃ: ۳۴-۳۵) (اور جو لوگ بھی سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کے راستہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجیے، جس دن اس کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا، یہی ہے نا جس کو تم نے جمع کر کے رکھا تھا، بس جو بھی تم جمع کر کے رکھتے تھے اب اس کا مزہ چکھو).....

(باقی صفحہ نمبر/۱۶ پر)

قناعت اور دل کی تونگری

مولانا سعود الحسن ندوی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافاً وَقَنَعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: وہ شخص کامیاب اور بامراد ہوگیا جس نے اسلام قبول کرلیا اور اس کو بقدر کفاف روزی ملی اور اللہ نے اس (قلیل) روزی پر قناعت بھی بخشی جو اس کو عطا کی۔

حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص کو دولت ایمان کے ساتھ گزر بسر کے بقدر سامان زندگی میسر ہوا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس مقدار پر راضی بھی رہا تو یہ بات اس کے کامیاب و بامراد ہونے کی دلیل وعلامت ہے، یقیناً قناعت اور دل کی تونگری (یعنی بندہ کو جو کچھ میسر ہو وہ اس پر راضی و مطمئن ہو) ایسی عظیم اور بیش بہا نعمت ہے جو کم ہی لوگوں کو حاصل ہو پاتی ہے، لیکن جس کو نصیب ہو جاتی ہے وہ اگرچہ فقر وافلاس اور مشکلات وموانع سے جوجھ رہا ہو پھر بھی سکون واطمینان سے بھرپور زندگی کا لطف اسے حاصل ہوتا ہے، برخلاف اس شخص کے جو قناعت کی دولت سے محروم ہو وہ تمام سامان عیش مہیا کر کے بھی بے آرامی و بے سکونی سے ہی دوچار رہتا ہے۔

ایک ایمان والے کے لیے یقیناً یہ بڑے نصیب کی بات ہے کہ وہ قناعت پسند ہو اور اس کا دل غنی ہو، کیونکہ دنیا میں قدم قدم پر بکھرے ہوئے سامان عیش وتنعم سے نگاہ ہٹا کر حرص وہوس سے دل کو پاک کر کے قناعت پسندی کے ساتھ زندگی گزارنا یہ کوئی معمولی بات نہیں، یہ محض انعام خداوندی ہے، بالخصوص ایسے حالات میں جب کہ ہر شخص زیادہ سے زیادہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ کی تلاش وجستجو میں سرگرداں ہے، دولت کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا قناعت سے محروم انسان بھی دل میں لامتناہی خواہشات وتمنائیں لیے ہوئے ننانوے کے چکر میں ہے، دن کا سکون اور رات کا چین رخصت ہے مگر قناعت واستغناء سے محرومی اور زیادہ سے زیادہ کی حرص وہوس کی آگ نے بے قرار کر رکھا ہے۔

مال واسباب کی کثرت اور دَھن دولت کی زیادتی، اسباب عیش وعشرت کی فراوانی کو مالداری وتونگری سمجھا جاتا ہے، جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے، ایسا ہوتا تو زیادہ مال واسباب کا مالک زیادہ پرسکون زندگی گزار رہا ہوتا مگر حقیقت حال جو دیکھنے میں آتی ہے وہ یہ کہ ایسے افراد زیادہ پریشان حال اور بے سکونی کا شکار ہوتے ہیں، یہ بے چارے تھوڑی سی نیند کے لیے بھی خواب آور دواؤں کا سہارا لیتے ہیں۔ (اللہ سب کی حفاظت فرمائے)

ان کے مقابلہ میں وہ شخص جس کو دولت قناعت حاصل ہو وہ اسباب راحت وعیش سے محرومی کے باوجود کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی زیادہ پرسکون اور مطمئن ہوتا ہے، قناعت اور دل کا غنا اس کو ایسی پرسکون اور اطمینان وراحت والی زندگی عطا کرتا ہے کہ عام حالات میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس کا دل مال ودولت کی محبت سے نہیں بلکہ دولت غنا سے معمور ہوتا ہے۔

اسی حقیقت کی طرف اس ارشاد نبوی میں رہنمائی ملتی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دولت مندی مال واسباب سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اصلی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔ (بخاری) مزید وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا: ابوذر! کیا تم سمجھتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تونگری ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا مال کی کمی کو تم فقر ومحتاجی سمجھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی، پھر ارشاد فرمایا: اصل دولت مندی دل کے اندر ہوتی ہے اور اصل محتاجی بھی دل کے اندر ہوتی ہے۔ (معجم کبیر طبرانی)

دونوں محاذوں پر کام کرنے کی ضرورت

محمد امین حسنی ندوی

اللہ تبارک وتعالی نے مسلمانوں کو دنیاوی اعتبار سے جو ملک عطا فرمائے وہ جغرافیائی اعتبار سے بڑے اہم ملک ہیں، مسلمان عرصہ دراز سے ایسے ممالک پر حکومت کررہے ہیں جو اسٹراٹیجک یعنی اقتصادی وفوجی لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل تھے، معدنی وتمدنی لحاظ سے ان کو فوقیت حاصل تھی، دوسری طرف عقیدہ توحید، سنت نبوی سے عشق، دینی شعائر سے متصف اور آراستہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو خیرامت بنایا تھا! ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْراً لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ(آل عمران ۱۱۰)﴾ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ ہر بات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنائیں ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِيَ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيما (النساء ٦٥/)﴾ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسول الله "(الموطا) مسلمانوں نے جب تک انہی بنیادوں کو سامنے رکھا اس وقت تک بڑے کروفر اور اعتماد سے حکومت کی، اور پورے ایمان ویقین اور اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کیا، مسلمانوں نے دنیا کو ایک نئی جہت عطا کی، زندگی گذارنے کا ایک سلیقہ دیا، دنیا میں امن وانصاف کو بول بالا ہوا، انسان کو اونچا مقام عطا ہوا، ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيَ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِيَ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً (الاسراء ٧٠/)﴾ مسلمانوں نے ایک طرف اپنے عقیدہ، اسلامی تہذیب وتمدن کو فروغ دیا، کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معیار بنایا، وہیں دوسری طرف اسلامی قلعوں کی حفاظت کا کام کیا، خارجی حملوں کا پوری قوت سے مقابلہ کیا، عدل وانصاف کی مثال قائم کی، ایک ہزار سال تک بڑے کروفر سے دنیا میں حکومت کی، صلیبی حملوں کا منھ توڑ جواب دیا، دینی غیرت وحمیت رکھنے والے علماء ودعاۃ کی قیادت میں اپنی زندگی گذاری، عزت وسربلندی، جاہ وجلال سے حکمرانی کی۔

لیکن پھر مسلمانوں پر مغربی سامراج کو مسلط کیا گیا جس نے تعلیم کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کو مغربی تہذیب کا دلدادہ بنادیا، ان کے اندر مغربی تہذیب کی اتنی محبت پیدا کردی کہ ان کے تعلیم یافتہ طبقہ نے مکمل طریقہ سے مغربی رہن سہن کو اختیار کرلیا اور اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا اپنے عقیدہ پر اعتماد کمزور ہوا، سنت نبوی سے عشق میں کمی آئی اور اپنے دین پر اعتماد متزلزل ہوا اور احساس کمتری پیدا ہوئی۔

لارڈ کرومر نے لکھا ہے کہ ہم نے ان مسلم ممالک میں تعلیم کا ایسا جال بچھادیا ہے کہ جو مسلم ہیں وہ اسلامی تہذیب سے بالکل عاری ہوچکے ہیں، مغرب کا اثر یافتہ مصری بسا اوقات نام کا مسلمان رہتا ہے وہ منکر الٰہیات ہوتا ہے، مصر پر اس کا زیادہ اثر پڑا اور وہ مغرب سے قریب ہونے کی وجہ سے پورے طریقہ سے مغرب کے رنگ میں رنگ گیا یہاں تک لکھا ہے کہ اس کے اور ایک جامعہ ازہر کے عالم درمیان اتنا ہی فاصلہ ہوتا ہے جتنا ایک مغربی اور مسلمان کے درمیان۔

ممتاز ادیب طہ حسین لکھتا ہے کہ ہم کو مغربی افکار ونظریات رہن سہن میں کوکلی اختیار کرنا چاہیے اگر ہم دنیا میں عزت سے رہنا چاہتے

ہیں ہم کو مغرب کو یہ احساس دلانا چاہیے کہ ہم ان کے رہن سہن کے سلسلہ میں وہی رائے قائم کرتے ہیں جو وہ خود کرتے ہیں ان کی قدر و قیمت ہماری نظر میں بھی وہی ہے جو خود ان کی نظر میں ہے ہم ان کے رنگ میں رنگ جانا چاہتے ہیں، رہن سہن میں، زندگی گذارت کے اور طریقوں میں ہم کو مغرب کی پیروی کرنا چاہیے۔

مغربی سامراج کا دور اگر دیکھا جائے تو یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ اس نے کچھ لوگوں کو تیار کر دیا جو اس کے بعد حکومت میں آئے اگر کہا جائے کہ ایسا تعلیم یافتہ طبقہ حکومت کے لیے تیار کیا گیا تھا جو مغربی نظام زندگی کو نافذ کرے اور طاقت کے زور پر کرے اور یہی ہوا کہ اس طبقہ نے نصاب تعلیم کے ذریعہ اپنی نسل سے ایمان ویقین کی کیفیت ختم کر دی، اب وہ مغرب کی غلام بن کر کام کرے گی مغرب نے اس قوم سے اپنے کام کروائے اس نے دین کو مٹانے کی کوشش کی مدارس بند کیے، دینی اداروں پر تالے ڈالے، دینی ودعوتی سرگرمیوں پر پابندی لگائی، ادھر کچھ سالوں میں اس کے خلاف سخت مظاہرے ہوئے، لیکن وہ سب مظاہرے ناکام بنا دیئے گئے، ان کو توڑ کر رکھ دیا گیا، کتنے لوگ آج بھی جیلوں میں ہیں، اور کتنے لوگوں کو گولی سے بھون دیا گیا، اور پھر وہی طبقہ آج بھی حکومت میں ہے جو مذہب بیزار اور دین بیزار ہے، جس کو مغربی تہذیب سے عشق ہے، جس کے رگ وریشہ میں مذہب دشمنی خون بن کر دوڑ رہی ہے۔

آج بھی اگر مسلمان قیادت کرنا چاہتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ وہ دنیا کی زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں لیں تو ان کو اپنے تابناک ماضی کی طرف لوٹنا ہوگا، ان کا وہ ماضی جو قرن اول سے شروع ہوتا ہے یعنی پانچویں صدی عیسوی سے اور چودھویں صدی عیسوی کے اختتام تک جس میں دینی بنیادیں تھیں، جس میں کتاب اللہ وسنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ ہوتے تھے جس میں حاکم رعایا کا خادم ہوتا تھا جس میں ایمان ویقین کی کیفیت تھی، جس میں یقین بالآخرۃ تھا، جس میں ترقی تھی جس میں دین ودنیا کو جمع کرنا تھا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کے حل لیے سب سے زیادہ نظام تعلیم کو درست کرنے پر زور دیا انہوں نے کہا! ایسا نظام تعلیم مرتب کیا جائے جو امت مسلمہ کے عقائد اس کی قومی خصوصیات اس کے مقاصد اور اس کی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہو اس نظام تعلیم میں للّٰہیت خوف خدا تقوی آخرت کا تصور اور انسانیت سے ہمدردی اور محبت کی روح ہو آگے فرماتے ہیں کہ یہ اسی وقت ہوگا جب رائج نظام تعلیم کو بالکل بدل دیا جائے اور نیا نظام تعلیم مرتب کیا جائے۔

بقیہ: زکوٰۃ-اسلام کا ایک اہم رکن

.....بخاری ومسلم میں بھی زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر سخت وعید پر مشتمل طویل احادیث آئی ہیں؛ ہم اس سلسلہ کی بخاری وابن ماجہ میں آنے والی ایک نسبۃً مختصر حدیث کا ذکر کر رہے ہیں: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ نے جس کو مال عطا فرمایا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، تو قیامت کے دن اس کا مال ایسے گنجے سانپ کی شکل میں اس کے سامنے لایا جائے گا جس کی آنکھوں کے اوپر دو نقطے ہوں گے وہ قیامت کے دن اس کے گلے کا طوق بنا رہے گا، پھر اس کے جبڑوں پر حملہ آور ہوگا اور کہے گا: میں تمہارا مال ہوں، میں تمہارا خزانہ ہوں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (اور وہ لوگ جو اس مال میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے وہ اس کو اپنے لیے بہتر نہ سمجھیں، بلکہ یہ تو ان کے لیے سراسر شر ہے، جس چیز میں بھی انہوں نے بخل سے کام لیا، قیامت کے دن اس کا طوق ان کو پہنایا جائے گا) (صحیح بخاری)

زکوٰۃ کے فضائل، اہمیت اور عدم ادائیگی پر آنے والی وعیدوں سے متعلق یہ چند نصوص ہیں، اللہ ہمیں ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین!

ایمان واستقامت کا پیکر

محمد ارمغان بدایونی ندوی

بعثت نبوی ﷺ سے تقریباً ایک صدی قبل کا واقعہ ہے کہ ملک یمن میں یوسف ذونواس نامی ایک یہودی بادشاہ تھا، جو مسیحی مذہب کا سخت مخالف تھا اور توحید پرستوں کے لیے تیغ براں، اس کے دربار میں نجومیوں اور جادوگروں کو بڑا رتبہ حاصل تھا۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک سن رسیدہ نجومی نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری وفات کا وقت قریب ہے، میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے علم کا وارث کسی ہوشیار اور ہونہار شخص کو بناؤں۔ بادشاہ نے نجومی کی یہ درخواست منظور کی اور فن نجوم کو حاصل کرنے کے لیے ایک ایسا لڑکا منتخب کیا جس کی پیشانی سے سعادت مندی اور ذہانت کے آثار ہویدا تھے۔

تاریخی روایات میں اس نوجوان کا نام عبداللہ بن تامر بیان کیا گیا ہے، اس نوجوان نے شاہی فرمان کی بسر وچشم تعمیل کی، مگر اس کے بخت نے یاوری کی اور توفیق الٰہی اس کے شامل حال رہی جس کی بنا پر اس کا دل مذہب حق کی طرف مائل ہونے لگا، بالآخر اس نے اپنے وقت کے مسیحی عالم ورہنما کی نیک صحبت اختیار کی اور ان کے ارشادات وفرمودات سے مستفید ہونے لگا، راہب کی تعلیمات پر نوجوان کا یقین بڑھتا گیا، حتی کہ نجومی کی تعلیمات کے بجائے راہب کی تعلیمات اس کی دلچسپی کا تمام تر محور بن گئیں۔ ایک تعلیم وہ تھی جو سراسر لغویات اور جھوٹ سے لبالب تھی اور دوسری تعلیم وہ تھی جس کا مصدر ومنبع وحی الٰہی اور شرع پیمبری تھی، بیک وقت دو متضاد نظام تعلیم اور مختلف صحبتوں نے نوجوان کو ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا، جس سے آزادی کا بظاہر کوئی حل اس کے پاس موجود نہ تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ نوجوان راہب کے پاس سے واپس ہو رہا تھا، اس نے راستہ میں دیکھا کہ ایک شیر لوگوں کا راستہ روکے کھڑا ہے اور تمام لوگ پریشان اور خوف زدہ ہیں، خوف وہراس کا یہ منظر دیکھ کر اس کے دل میں ایک عجیب خیال آیا، اس نے سوچا کہ میں اللہ کی ذات کو کارسازِ حقیقی تصور کرتے ہوئے اس شیر کے ایک پتھر ماروں گا، اگر راہب کی تعلیمات سو فیصد سچ ہوں گی تو یقیناً اللہ اس پتھر سے شیر کو ہلاک کر دے گا اور اگر نجومی کی تعلیمات برحق ہوں گی تو یہ شیر کبھی ہلاک نہ ہوگا، نوجوان نے اپنی اسی قوتِ ایمانی کے ساتھ اللہ سے لو لگاتے ہوئے شیر کو پتھر مارا اور شیر فوراً ہلاک ہو گیا، اس واقعہ نے نوجوان کے دل میں ایمان کی حقیقت اور مسیحی مذہب کی صداقت جاگزیں کر دیں۔

نوجوان کا یہ عمل یقیناً تمام لوگوں کے لیے بھی باعث حیرت واستعجاب تھا، پورے شہر میں نوجوان کے اس کارنامہ کا شہرہ ہو گیا اور وہ نوجوان ہر شخص کی توجہ کا مرکز بنتا چلا گیا، انسانی طبائع کی کمزوری ہے کہ اگر کسی کے ہاتھ پر خرق عادت واقعات کا صدور ہو جائے تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اپنی تمام حاجات اسی سے مانگتے ہیں، چنانچہ اس نوجوان سے بھی لوگوں نے اپنے مختلف مطالبات رکھے، کسی نے اپنی آنکھوں کی بینائی واپس لانے کی درخواست کی تو کسی نے اپنی دنیاوی حاجت براری کا مطالبہ کیا، نوجوان نے سب کو ایک ہی جواب دیا کہ اگر اللہ پر ایمان لے آؤ اور مسیحی مذہب قبول کر لو تو تمہاری ضرورت یقیناً پوری ہو جائے گی، بلاشبہ مسیحی مذہب کی تبلیغ واشاعت کا یہ ایک سنہرا موقع تھا، جس میں ہزاروں افراد ایمانی حلاوت سے آشنا ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور مسیحی مذہب ہر خاص وعام کا موضوع گفتگو بن گیا۔

یہودی بادشاہ کے لیے اس کی ریاست کا یہ منظر نامہ کسی طرح قابل قبول نہ تھا، اس نے فوراً اس نوجوان کو طلب کیا اور ساتھ ہی

اس راہب کو بھی بلایا جس کی نیک صحبت اور مذہبی تعلیمات نے نوجوان کو مسیحی مذہب کی اشاعت کا ایک مؤثر ذریعہ بنادیا تھا، بادشاہ کا حکم ہوا کہ راہب کو قتل کردیا جائے اور نوجوان کو اتنی آسان موت ہرگز نہ دی جائے، بلکہ پہاڑوں کی اونچائیوں پر لے جاکر نیچے دھکیل دیا جائے، تاکہ یہ سب لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بن سکے، مگر خدا کا فیصلہ یہ ہوا کہ جو لوگ اس کو پہاڑوں پر لے کر گئے وہ سب ہلاک ہوگئے اور وہ صحیح سالم واپس لوٹ آیا، جب بادشاہ نے اس کو زندہ دیکھا تو غصہ سے بپھر اٹھا اور اس کو سمندر میں غرق کرنے کا حکم دیا، مگر وہ نوجوان اس مرتبہ بھی زندہ بچ گیا اور جو لوگ لے کر گئے تھے وہ سب ہلاک ہوگئے، اب بادشاہ اپنے تمام تر وسائل اور طاقت وقوت کے باوجود بھی بے بس ومجبور تھا، حق وباطل کی معرکہ آرائی میں باطل سرعام رسوا اور ذلیل ہورہا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ جوق در جوق مسیحی مذہب کے معتقد ہوتے جارہے تھے۔

بادشاہ کی جھنجلاہٹ اور غم وغصہ دیکھ کر نوجوان نے بذات خود ایک تجویز پیش کی کہ اگر وہ اس کو مارنا چاہتا ہے تو ایک تیر لے اور "بِاسْمِ رَبِّ هَذَا الْغُلَامِ" (اس لڑکے کے رب کے نام سے) کہہ کر اس کو مارے تو وہ مرجائے گا، اس تجویز پر عمل کیا گیا اور وہ نوجوان فوراً جاں بحق ہوگیا، راہِ حق میں اس ایک فرد کی شہادت ہزاروں لوگوں کے لیے ایک خاموش دعوتِ اسلام ثابت ہوئی۔

بادشاہ کو مسیحیت کی یہ پرزور اشاعت کسی طرح گوارہ نہ تھی، پہ در پہ کی پسپائی اور رسوائی سے وہ ضد وانتقام کا پتلا بن چکا تھا، اس نے فوراً اپنے ارکان سلطنت کو جمع کیا اور سب سے مشورہ لیا، جس میں یہ طے ہوا کہ بڑی بڑی خندقیں کھود کر ان میں آگ جلائی جائے، پھر جو شخص بھی مسیحی مذہب کا پیرو نظر آئے اس کو نذر آتش کردیا جائے، اس شاہی فرمان پر سختی سے عمل ہوا، مگر اہل ایمان توحید پرستی کا ایسا جام نوش کرچکے تھے جس کے بعد ہر مصیبت اور آزمائش سے گذرنا آسان تھا، اسی لیے شاہی قوت وسطوت ان کے راستہ میں حائل نہ ہوسکی اور نہ ہی روح فرسا ایذائیں ان کی ہمتیں پرست کرسکیں، بلکہ وہ عزیمت واستقامت کے ایسے کوہِ گراں ثابت ہوئے کہ باطل بزور بازو بھی ان کی قوت ایمانی کو متزلزل نہ کرسکا، حد تو یہ ہوئی کہ جب ایک عورت اپنے چھوٹے بچہ کی خاطر آگ میں کودنے پر جھجکنے لگی تو وہ بچہ ماں کی گود سے بول اٹھا کہ اے ماں! صبر کرو اور آگ میں بلاخوف وخطر کود جاؤ، کیونکہ آپ حق پر ہیں۔

راہ حق کے ان شہیدوں اور جانبازوں کا تذکرہ قرآن مجید میں بلند الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ☆النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ☆إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ☆وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ☆وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ☆الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾(البروج: ٤-٩) (ہلاک ہوں کھائیاں کھودنے والے جو ایندھن والی آگ سے بھری تھیں، جب وہ وہاں بیٹھے تھے اور وہ اہل ایمان کے ساتھ جو کچھ کررہے تھے اس کے تماشائی تھے اور انہوں نے ان سے صرف اس کا انتقام لیا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے تھے جو غالب ہے ستائش کے قابل ہے، جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے)

یہ واقعہ ایمانی قوت اور توحید پرستی کے مظاہر کی اعلیٰ مثال ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ایمانی حرارت کے سامنے ہر طاقت ہیچ ہے، باطل خواہ کتنا ہی مضبوط اور ہمالیائی عزائم کا حامل ہو، مگر اہل ایمان کے صبر واستقامت کے سامنے سب گرد ہے، اگر اہل ایمان اپنے اندر مطلوبہ صفات پیدا کرلیں تو انسانی طاقتیں ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں، بلکہ وہ جان دے کر بھی اپنے مشن کو فروغ بخش سکتے ہیں۔ اس واقعہ میں نوجوان کے عمل سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ نیک صحبت کی اہمیت وضرورت بہرحال ہر شخص کو ہے، یہ نیک صحبت ہی کا فیض تھا جس نے نوجوان کو نجومی تعلیمات سے مستغنی کیا اور برحق مذہب کی محبت اس کے دل میں جاگزیں کردیں اور وہ رہتی دنیا تک کے لیے عبرت ونصیحت کی ایک بہترین مثال بن گیا۔

علمی وفکری جمود

مسلمانوں کے زوال کا ایک بنیادی سبب

محمد نفیس خاں ندوی

شریعت اسلامی نے ''معرفت خداوندی وعرفان ذات'' کے پیش نظر تحصیل علم پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور اس میں کسی طرح کی تفریق یا امتیاز کو روا نہیں رکھا، چنانچہ مسلمان اپنی ترقی کے ادوار میں ''علوم دین اور علوم کائنات'' دونوں مقام میں یکساں طور پر قابل تقلید تھے، لیکن جب ان کا علمی توازن بگڑا، علوم شریعت سے غفلت اور علوم کائنات میں بے اعتدالی پیدا ہوئی تو ان کی ترقی کا معکوسی سفر بھی شروع ہوا جو ان کے زوال پر ختم ہوا۔

تاریخ شاہد ہے کہ اگر امت ایمان کے تقاضوں کے ساتھ تحصیل علم کی راہ پر گامزن رہتی تو بے شمار فرقے یا تو جنم ہی نہ لیتے یا بہت جلد اپنی موت مر جاتے، فرقہ پرستی کے عروج وبقاء کا ایک بڑا سبب شعبدہ بازی ہے جسے جاہل مسلمانوں نے کرامت ومعجزہ سمجھ لیا، اسود عنسی ومسیلمہ کذاب سے لے کر غلام احمد قادیانی تک جس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا اس نے امت میں فرقہ بندی کا بیج بو دیا، بے تحاشا لوگ گمراہ ہوئے، کشت وخون کا معرکہ گرم ہوا، عزت وناموس کی بے حرمتیاں ہوئیں، جبکہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ ان مدعیان نبوت نے نہ کوئی نیا ضابطۂ حیات پیش کیا تھا، نہ انسانیت کو کوئی نیا سیاسی، اخلاقی یا معاشرتی نظام دیا تھا، انھوں نے چند شعبدے دکھائے اور جہالت کے پیکر مسلمان انھیں معجزہ وکرامت سمجھ کر کشاں کشاں ان کی اور بڑھتے گئے۔ یقیناً علم کا نور اٹھ جائے تو ہر ڈگڈگی بجانے والے کو چند پاگل ضرور مل جاتے ہیں اور اگر علم ہو تو فضاؤں میں اڑنے والے کو بھی قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔

مسلمانوں نے دینی علوم کے ساتھ دنیوی علوم کی طرف بھی توجہ دی تھی، یہ اسلام کا عین تقاضا بھی تھا، سات سو سے زائد آیات قرآنی میں عالم فطرت کو تحقیق کا موضوع بنانے کی ہدایت دی گئی ہے، نیز فطری علوم میں یونانی حکماء کا ورثہ بھی وافر مقدار میں موجود تھا جس سے دنیائے اسلام کے اہل علم آگاہ تھے، بلاد اسلامیہ میں ان علوم کے ماہر یہودی وعیسائی باشندے بھی موجود تھے، علاوہ ازیں کچھ علمی ذخائر ہندوستان اور چین میں بھی دستیاب تھے، چنانچہ حکمرانوں نے اس میں خصوصی دلچسپی لی اور مسلم علماء ومفکرین کے لیے ان علوم کو ترقی دینے کا سازگار ماحول دستیاب ہوگیا، انھوں نے سائنس، طب، فلسفہ، فلکیات وغیرہ سبھی علوم میں دلچسپی لی اور ایک صدی کا عرصہ بھی نہیں گذرا تھا کہ ان کی سرگرمیاں جگہ جگہ زور وشور کے ساتھ جاری ہوگئیں، تحقیق کاروں نے طبع زاد تحقیق کر کے دریافتوں کے انبار لگا دیے۔ مگر ابھی چند صدیاں ہی گذری تھیں کہ دنیائے اسلام میں تحقیق کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑنے لگیں اور علم وفن کے جس مقام قیادت پر مسلمان فائز تھے اس سے محروم کیے جانے لگے، تجزیاتی طور پر اس کی دو بنیادی وجہ قرار دی جاسکتی ہیں:

پہلی وجہ ''یونان وہند کا دیومالائی فلسفہ'' ہے جو وہاں کے افراد اور ان کی کتابوں کے ذریعہ مسلمانوں میں اثر انداز ہونے لگا تھا، شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمانوں میں ایسے افکار ونظریات پنپنے لگے جو توحید، رسالت وآخرت جیسے بنیادی ایمانیات سے متغائر و متصادم تھے، جس سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں بھی مختلف الخیال لوگ پیدا ہونے لگے، فلسفیانہ موشگافیوں نے مسلم معاشرہ کو تفریح کا سامان فراہم کر دیا، حجتیں ہونے لگیں، نفی واثبات کے دلائل دیے جانے لگے، سیاست وقوت بھی دخیل ہونے لگی حتی کہ یہ افکار ونظریات شاہی درباروں میں بھی زیر گفتگو آنے لگے، رفتہ رفتہ ان

لوگوں نے جدا جدا فرقوں کا روپ دھار لیا جو جبریہ، قدریہ، مرجیہ، معتزلہ وغیرہ وغیرہ ناموں سے موسوم ہوئے۔

دوسری وجہ مغرب کی ''مادیت پرست تہذیب'' ہے جس نے مسلم ممالک کو بھی اپنا ہم مزاج بنالیا تھا، سولہویں صدی مسیحی میں یورپی معاشرہ نے کلیسا کی غلامی سے آزادی کا صور پھونکا، بغاوت کی آوازیں بلند ہوئیں، احیائے علوم کی تحریکیں برپا ہوئیں اور یورپ نشأۃ ثانیہ کی راہ پر چل پڑا، اس نے سب سے پہلے مذہب کی مخالفت کی، مسیحیت اس کے پیروں کی بیڑیاں تھی جسے اس نے کاٹ کر پھینک دیا اور ہر اس چیز کا رد وانکار شروع کر دیا جو عقل وخرد کے دائرہ سے باہر تھی، یورپ کا یہ عقلانی دور تھا جسے "Age of Rationalism" کہا جاتا ہے۔

یورپ کا انقلاب ''احیائے علوم'' کے راستہ سے تھا اس لیے مسلمانوں کا تعلیمی نظام سب سے پہلے متاثر ہوا، علم کی یکتائی ختم ہوئی اور جدید وقدیم کی کشمکش کا آغاز ہوا، ایک ''دنیوی علم'' کہلایا جس کے طالب دنیادار اور مادہ پرست قرار دیے گئے۔ دوسرا ''دینی علم'' کہلایا جسے حاصل کرنے والے جنت کے راہ گیر اور وارثین نبوت کہلائے، اس طرح طالب علم دو حصوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے حریف بن گئے، ایک حسرت کے ساتھ دوسرے کی طرف دیکھتا تو دوسرا ندامت کے ساتھ پہلے کی طرف نظر ڈالتا، تاریخ گواہ ہے کہ اس تقسیم کے بعد مسلمانوں میں علمی وفکری زوال آیا اور ان کی تحقیقی وتخلیقی صلاحیتیں زنگ آلود ہونے لگیں، مدارس کے نصاب سے زندہ علوم کو کان پکڑ کر رخصت کر دیا گیا اور عصری جامعات نور نبوت سے محروم ہو گئیں۔

چنانچہ عالم اسلام جب مغرب کے قبضہ میں آیا تو مسلم نوجوانوں کے اندر ایک قسم کا ''احساس کمتری'' پیدا ہو چکا تھا، خاص کر جنوبی ایشیا میں جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کی جو نسل تیار ہوئی وہ مغرب سے پوری طرح مرعوب تھی اور کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے ماضی پر شرمندہ ہیں اور ان کا یہ عقیدہ بن چکا تھا کہ مغرب ہر معاملہ میں ان سے بہتر ہے۔

علم وفکر کے دور انحطاط میں مسلمانوں کی قیادت ایسے ہاتھوں میں آئی جن کی ساخت وپرداخت مغربیت کے سانچوں میں ہوئی تھی، انھوں نے اپنی دانست میں مسلمانوں کے زوال کی گتھی سلجھالی اور ببانگ دہل یہ نعرہ لگایا کہ اس قوم کی ضرورت صرف اور صرف ''تعلیم'' (Education) ہے، اگر اس قوم کے افراد مغربی زبانیں سیکھ کر اہل مغرب کی طرح اس میں مہارت حاصل کر لیں اور ان کے پیش کردہ جدید علوم سے واقف ہو جائیں تو قوم کی تمام مشکلات خود حل ہو جائیں اور زوال وانحطاط کی ساری رسوائیاں دور ہو جائیں، اسی فکر وخیال کے تحت انھوں نے مغربی طرز پر اسکول وکالجز قائم کیے، جہاں طرز تعلیم وتدریس اور نصابیات میں وہ پوری طرح مغربی آقاؤں کے مقلد تھے، البتہ مسلمانوں کے دینی جذبہ کی رعایت کرتے ہوئے اس میں دینیات کے شعبہ کا اضافہ بھی کیا اور اسی جذبہ کی بنا پر ان کالجوں اور یونیورسٹیوں کو ''اسلامیہ کالج'' اور ''مسلم یونیورسٹی'' کا نام بھی دیا۔

یہاں اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کہ ہر علم کی ایک خاص روح اور اس کا ایک خاص ضمیر ہوتا ہے، اسلام نے جن علوم کی بنیاد ڈالی اور اپنے قالب میں ڈھالا ان سب میں ایمان، تقویٰ اور خشیت الٰہی کی روح پورے طور پر موجود تھی، حتی کہ مسلمانوں نے جن علوم کو سنوارا اور اصلاح کی وہ بھی دینی روح سے خالی نہیں تھے، لیکن اسلام کے بالمقابل یورپ نے جن علوم کو مدون کیا ان میں انکار خدا، مادہ پرستی، محسوسات پر ایمان اور غیر محسوسات سے بے اعتنائی پورے طور پر موجود ہے۔ چنانچہ اس مغربی نظام تعلیم پر مسلمانوں کی بے پناہ دولت بھی صرف ہوئی، ہونہار بچے اور بہترین جوان بھی ان تعلیم گاہوں کے لیے وقف ہوئے، لیکن ان تمام جدوجہد کا نتیجہ کیا نکلا؟ ایک عام فکری بے راہ روی، افکار وخیالات میں تضاد وناہمواری اور دین میں شک وتذبذب اور اخلاق وادب سے بیزاری، یہ وہ اثرات ہیں جو نئی تعلیم یافتہ جماعت میں ظاہر ہوئے، اس طرح مسلم قوم کے زوال کی گتھی سلجھتی اور الجھتی رہی اور ساری توانائیاں اس کے سرے کی تلاش میں ضائع ہوتی رہیں۔

محرم الحرام کی بدعات

غم کا مہینہ سمجھنا: آپ ﷺ نے یہ بات صاف طور پر ارشاد فرمادی ہے:"لَا تُحِدُّ عَلٰی مَیِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا الْمَرْأَۃُ تُحِدُّ عَلٰی زَوْجِھَا أَرْبَعَۃَ أَشْھُرٍ وَ عَشْراً" (تم کسی میت پر تین دن سے زیادہ غم نہ مناؤ، سوائے عورت کے کہ وہ اپنے شوہر پر چار مہینہ دس دن تک سوگ منائے گی)

تعزیہ داری: شیعوں کی مذہبی کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ لکھا ہے:"جو شخص کسی قبر کو پھر سے بنائے یا اس کی شکل وشبیہ (تعزیہ) بنائے تو وہ اسلام سے خارج ہے"۔

ماتم و نوحہ: نبی اکرم ﷺ نے کھلے لفظوں فرمایا: "لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ" (وہ شخص ہم میں سے نہیں جو چہروں کو پیٹے، گریبان کو پھاڑے اور جاہلیت کی طرح واویلا مچائے)

مرثیہ خوانی: ابن ماجہ کی روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرَاثِیْ" (نبی ﷺ نے مردہ کے محاسن بیان کر کے رونے سے منع فرمایا)

سیاہ لباس: کتاب "عیون الأخبار" میں حضرت علیؓ کا یہ قول مذکور ہے:"میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنا کرو، حضور ﷺ کے دشمنوں کا لباس سیاہ ہے"۔

ڈھول تاشہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا::"اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِیْ الْقَلْبِ" (گانا بجانا دل میں نفاق کا بیج بو دیتا ہے)

ایصال ثواب: حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مخصوص ایام میں ایصال ثواب کے متعلق لکھتے ہیں:"انسان کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب بزرگوں کو پہنچائے، لیکن اس کام کے لیے کوئی وقت، دن اور مہینہ مقرر کرنا بدعت ہے"۔

مجالس کا انعقاد: علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ "جامع الرموز" کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:"اگر قتل حسینؓ کے تذکرہ کا ارادہ ہو تو اس سے پہلے تمام صحابہ کی شہادت کا ذکر ہونا چاہیے تاکہ روافض کے ساتھ مشابہت نہ رہے"۔

سبیل لگانا: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:"محرم میں ذکر شہادت حسین علیہ السلام کرنا اگرچہ روایات صحیحہ ہو، یا سبیل لگانا یا شربت پلانا، یا چندہ سبیل یا شربت میں دینا، یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے"۔

کھچڑا پکانا: کھچڑا پکانا کا خوارج ونواصب کی علامت ہے جو حضرت حسینؓ کی شہادت کے دن اپنی خوشی کے اظہار کے لیے پکاتے تھے، مشہور کتاب "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے:"شام کے رہنے والے ناصبی لوگوں نے روافض وشیعہ حضرات کی مخالفت کی، اسی لیے وہ عاشوراء کے دن مختلف قسم کے غلوں کا پکوان بناتے تھے، اور عمدہ کپڑے زیب تن کرتے تھے، اس دن کو عید کی طرح مناتے تھے، اسی لیے اس دن قسم قسم کے کھانے تیار کرتے تھے، جس سے وہ اپنی خوشی ومسرت کا اظہار کرتے تھے"۔

زیب و زینت ترک کرنا: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس ماہ میں زیب وزینت ترک کرنے کے متعلق رقم طراز ہیں:"ان ایام میں قصداً زینت ترک کرنا جس کو سوگ کہتے ہیں، اور حکم اس کا شریعت میں یہ ہے کہ عورت کو صرف خاوند پر چار ماہ دس دن یا وضع حمل تک واجب ہے اور دوسرے عزیزوں کے مرنے پر تین دن جائز ہے باقی حرام، سواب تیرہ سو سال کے بعد یہ عمل کرنا بلاشک حرام ہے"۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 13 | August 2021 | Issue: 08

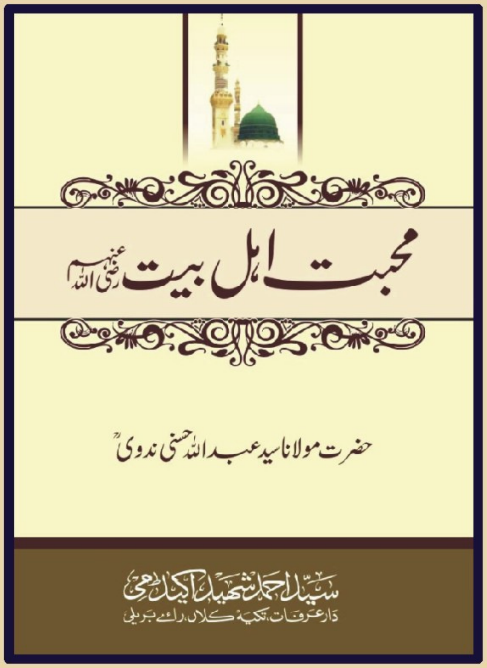

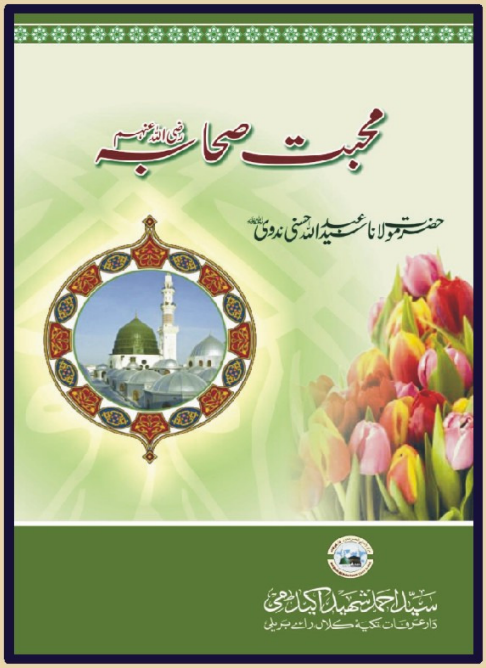

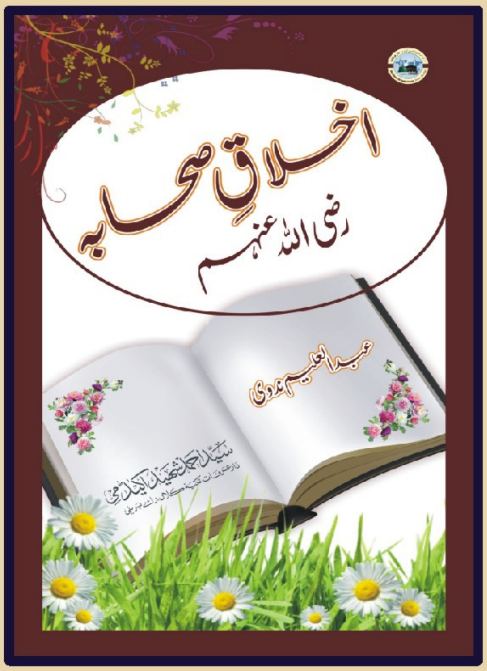

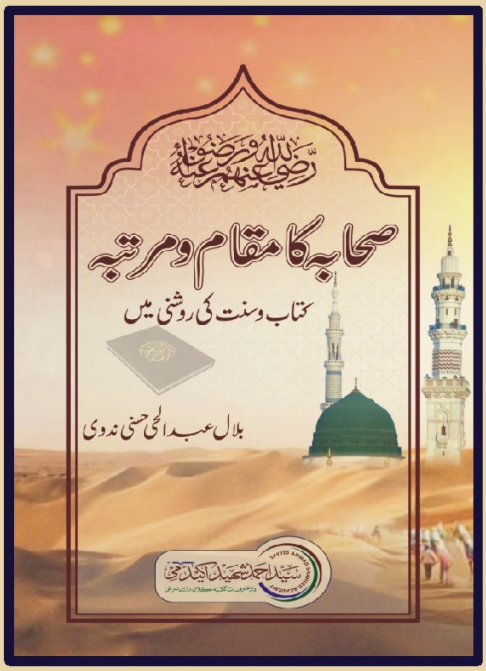

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)